Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:1 (1967)

اُصولِ فقہ اور امام شافعیؒ

مولانا احمد حسن — ریسرچ فیلو ادارہ تحقیقات اسلامی

(۴)

امام شافعیؒ قیاس پر تو اس لئے زور دیتے ہیں کہ اس کی بنیاد ہی ان کے خیال میں قرآن، سُنت یا اجماع پر ہوتی ہے، لیکن استحسان کی وہ سختی سے تردید کرتے ہیں، کیوں کہ وہ اس کو بے بنیاد (بلا اصل) سمجھتے ہیں۔ استحسان ان کی نظر میں آزاد رائے اور شخصی موضوعی فیصلہ ہے، وہ صرف قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے استدلال کو درست سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک استحسان کا قیاس کی طرح قرآن مجید سے وجوب نہیں نکلتا، اور نہ یہ ادلہ اربعہ میں داخل ہے (۱)۔ ان کے خیال میں استحسان سے استدلال کی صورت میں ایک فقیہہ ادلہ اربعہ کو چھوڑ کر محض اپنی شخصی رائے پر عمل کرتا ہے۔ استحسان کو شخصی و آزاد رائے کا نام دے کر وہ اس کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بناتے ہیں، کبھی اس کو تلذذ کہتے ہیں (۲) اور کبھی اس کو دین میں نئی شریعت گڑھنے کے مترادف بتاتے ہیں (۳)۔ استحسان کی تردید میں جو متعدد دلیلیں دیتے ہیں، ذیل میں ہم ان کا تجزیہ کرتے ہیں:

اُن کا خیال ہے کہ انسان کو زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں احکام دیئے گئے ہیں اور اس کو یوں ہی بیکار نہیں چھوڑا گیا۔ اس سلسلہ میں وہ قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:۔

أیحسب الانسان أن یترک سُدیً (۴)۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو مہمل چھوڑ دیا جائے گا، اس کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں کہ سدیً اس شخص کو کہتے ہیں، جسے نہ کوئی حکم دیا گیا ہو اور نہ کسی چیز سے منع کیا گیا ہو۔ اس سلسلہ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی احادیث پیش کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے اور جن باتوں سے منع کیا ہے، آپؐ نے ان سب کو لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ یہ دو دلیلیں قرآن و سنت سے استدلال کی

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

تائید میں تھیں ۔ اجماع کے لیئے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن میں آپ نے جماعت کے پیچھے چلنے کا حکم دیا ہے، اس سے وہ یہ بات نکالتے ہیں کہ اُمت کا جس رائے پر اتفاق ہو، اس کا اتباع کرنا چاہیئے ۔ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت اور احادیث سے وہ یہ نتیجہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ انسان کو دنیا میں بلا ھدایت نہیں چھوڑا گیا ۔ زندگی میں جن مسائل سے انسان دوچار ہوتا ہے، اس کے بارے میں کتاب اللہ میں مفصل یا مجمل (نصاً و جملۃً) احکام موجود ہیں ۔ اس لئے ان کے خیال میں کوئی اجتہاد بغیر نص یا قیاس کے درست نہیں ہو سکتا، چنانچہ قرآن مجید میں یا تو واضح طور پر کوئی حکم موجود ہوگا یا پھر قیاس سے دلالۃً اس کو استنباط کریں گے ۔ اس کے علاوہ جو طریقہ بھی اجتہاد کا ہوگا وہ صحیح نہیں (۵) ۔ استحسان چونکہ ادلہ اربعہ میں داخل نہیں، اس لئے ان کے نزدیک اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ۔

وہ استحسان کی تردید میں بار بار قرآن مجید کی اُس آیت کو پیش کرتے ہیں، جس میں مسلمانوں کو قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ اس آیت سے وہ قیاس کی شرعی حجیت اور استحسان کی ممانعت ثابت کرتے ہیں ۔ قیاس کی حجیت پر ہم گذشتہ اوراق میں تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں ۔ استحسان کی ممانعت میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ قبلہ کی طرف رُخ کرنے کے لیئے دلائل و علامات تلاش کرنا ضروری ہیں، اپنی مرضی اور خواہشِ نفس سے جس طرف چاہیں رُخ کر لیں، اس کی اس آیت سے ممانعت نکلتی ہے (۶) ۔

ان کا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معاملات میں استحسان سے کام نہیں لیا، جن کے بارے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی ۔ اس سلسلہ میں وہ قرآن مجید سے تین مثالیں پیش کرتے ہیں ۔ اصحاب کہف کے بارے میں آپ سے سوال، مسئلہ ظہار اور مسئلہ قذف کے بارے میں لوگوں کا آپ سے دریافت کرنا ۔ ان تینوں موقعوں پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا (۷) ۔ اس لیئے ان کے خیال میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استحسان جائز نہیں تھا تو وہ دوسروں کے لئے کیسے ہو سکتا ہے ۔

استحسان کی تردید میں وہ ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر ایک حاکم یا مفتی کسی مسئلہ میں استحسان سے کام لیتا ہے، اور قیاس و نص کو چھوڑ دیتا ہے، تو دوسرا حاکم یا مفتی دوسرے مقام پر یا اسی جگہ ایسا ہی کر سکتا ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا ایک ہی مقام پر ایک ہی مسئلہ میں مختلف لوگ مختلف فیصلے کرینگے (۸) ۔ تعجب ہے امام شافعی استحسان سے استدلال کی صورت میں تو انتشار سے اتنے خوف زدہ ہیں ۔

لیکن قیاس واجتہاد کی صورت میں، جن کی وہ شدت سے حمایت کرتے ہیں، انہیں اختلاف رائے کا وہم بھی نہیں گذرتا۔ حالاں کہ اجتہاد الخاصہ کی صورت میں وہ خود مختلف مجتہدوں کو اپنی اپنی رائے پر عمل کرنے کی تاکید کرتے ہیں، نیز اجماع الخاصہ کا انکار کر کے وہ خود مستقل اختلاف رائے اور ایک مسئلہ میں مختلف فیصلے کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ استحسان کی تردید میں یہ دلیل پیش کر کے امام شافعی درحقیقت اپنے اقوال میں تضاد پیدا کرتے ہیں۔

استحسان کے خلاف امام شافعی ایک اور منطقی دلیل پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ وہ عقل پرست (اہل العقول والآداب) جو علما، قرآن وسنت سے عقل وذہانت میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں، جب ان کو محض عقل کی بنیاد پر مسائل حل کرنے کی اجازت نہیں ہے تو علمار کو کیسے ہوسکتی ہے، جو کہ عقل میں ان سے کم تر ہیں؟۔ اس پر اُن کا مناظر اُن سے کہتا ہے کہ چوں کہ عقل پرستوں کو اصول (نظائر) سے واقفیت نہیں ہوتی، اس لئے ان کو اس کی اجازت نہیں ہے، لیکن علمار تو اصول سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ عقل سے مسائل حل کرسکتے ہیں۔ امام شافعی اس کو یہ الزامی جواب دیتے ہیں کہ علمار کے اصول سے واقف ہونے کا تقاضا کیا ہے ـــــ آیا وہ قیاس سے کام لیں یا اس کو ترک کردیں؟۔ اگر علمار اپنے علم کے باوجود قیاس کو چھوڑ کر محض عقل سے کام لینے کے مجاز ہیں تو عقل پرستوں کو ان سے زیادہ اجازت ہونی چاہیئے۔ بلکہ اگر عقل پرست اپنی عقل سے کام لے کر کسی مسئلہ میں صحیح تیجہ پر پہنچتے ہیں تو وہ ستائش کے مستحق ہیں، کیوں کہ ان کے پاس اصول کا علم نہیں ہے۔ وہ قیاس کو چھوڑنے پر علمار سے زیادہ مورد الزام نہیں بن سکتے، کیونکہ علمار اصول سے واقف ہوتے ہیں، اور وہ واقف نہیں ہوتے۔ اس سے امام شافعی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر علمار صرف عقل سے کام لیں گے تو قیاس سے کام نہ لینے کی صورت میں ان میں اور عقل پرستوں میں کوئی فرق نہیں رہتا (۹)۔ امام شافعی کی اس دلیل کے خلاف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جو شخص اصول (نظائر) سے واقف ہوگا، وہ مسائل حل کرتے وقت ان کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ نیز جو شخص اصل سے بھی واقف ہو، اور اپنی عقل کی روشنی میں عام مصلحت، مسئلہ کی روح اور مقصد کو بھی سمجھتا ہو، وہ اس شخص سے بہتر اجتہاد کرسکتا ہے جو خالص عقل کو بنیاد بنا رہا ہو۔ اصول وعقل دونوں سے کام لینے والا اور محض عقل سے کام لینے والا کیا دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟۔

یہ بات ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ امام شافعی صرف قرآن وسنت کی بنیاد پر اجتہاد کے قائل ہیں، اور

حضرت معاذ بن جبل کی مشہور حدیث سے وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ لوگوں کو قرآن و سنت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ اپنی شخصی رائے پر عمل کرنے کا، اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن و سنت کی نصوص کو چھوڑ کر محض استحسان (شخصی رائے) کی بنیاد پر کسی مسئلہ میں فیصلہ کرتا ہے، تو وہ گویا شخصی رائے کو قرآن و سنت کے مقابلہ میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اور اُسے وہ قرآن و سنت کے مقابلہ میں ایک تیسرا ماخذ سمجھتا ہے۔ یعنی اس کے نزدیک قرآن و سنت کی اتباع کی طرح شخصی رائے کی اتباع کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ قرآن کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن تو محض خدا اور رسولؐ کی متابعت کا حکم دیتا ہے (نہ کہ رائے کی اتباع کا) (۱۰)۔ اس طرح امام شافعی قرآن سے استحسان کی شرعی حجیت کی تردید کرتے ہیں۔

امام شافعی کے مخالفین استحسان کی شرعی حجیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل سے ثابت کرتے ہیں۔ امام شافعی نے ان کے دلائل بیان کر کے ایک ایک کی تردید کی ہے۔ مثلاً استحسان کے حامی اس کی تائید میں ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کو بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے اپنی رائے سے فیصلہ کیا جو خدا کے حکم کے بالکل موافق تھا۔ اس لئے استحسان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دوسری دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ صحابہ سفر میں تھے۔ ایک مچھلی اُن کو سمندر کے کنارے پر ملی۔ اس کو انھوں نے خود بھی کھایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اُسے لائے اور آپؐ نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔ اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ وہ مچھلی جسے سمندر نے باہر پھینک دیا ہو، اُس کے کھانے کا حکم نہ تو قرآن میں موجود تھا اور نہ سُنت میں۔ صحابہ نے اپنی رائے سے اس کو کھایا۔ اور ان کی یہ رائے درست نکلی۔ تیسری دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں تبلیغ کے سلسلہ میں صحابہ کے وفود بھیجتے تھے اور ان لوگوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ وہ وفود کے امراء کی اطاعت کریں جب تک وہ خدا کے حکم کے خلاف کوئی حکم نہ دیں۔ لیکن بعض امراء نے اپنے مامورین کو ایسے احکام بھی دیئے جو خدا کے حکم کے خلاف تھے۔ مثلاً ایک صاحب نے اپنے مامورین کو آگ میں کود جانے کا حکم دے دیا۔ اس واقعہ سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ ان امراء نے اپنی رائے کی بنیاد پر حکم دیا، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آنے کے بعد آپؐ نے اس کو ردّ فرما دیا۔ رائے سے فیصلہ بہرحال اس دور میں موجود تھا (۱۱)۔

امام شافعی ان میں سے ہر دلیل کو رد کرتے ہیں۔ پہلی دلیل کے بارے میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ کو اس لئے نافذ فرما دیا تھا کہ وہ صحیح تھا۔ کیوں کہ کبھی رائے، بصیرت اور فہم رکھنے والے آدمی کا فیصلہ جو محض رائے پر مبنی ہو، درست ہوتا ہے، اور کبھی غلط۔ لیکن لوگوں کو ایسے شخص کی رائے پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا جس کی صحت مشکوک ہو۔ اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت خدا کی طرف سے کی جاتی تھی، اس لئے آپ کے فیصلہ میں غلطی کا امکان نہیں تھا۔ جو شخص ایک ایسے آدمی کی اتباع کرنے کے لئے لوگوں سے کہتا ہے جو اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہو، وہ درحقیقت ایسے آدمی کے پیچھے چلنے کے لئے کہہ رہا ہے جس کا فیصلہ صحیح بھی ہو سکتا ہے، اور غلط بھی۔ نیز وہ اس شخص کو ایک نبی کی جگہ لانا چاہتا ہے جس کی اتباع فرض کی گئی ہے۔ دوسری دلیل کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ صحابہ کرام نے محض ضرورت کی وجہ سے مچھلی کھائی تھی۔ ورنہ ان کو خود یہ یقین نہیں تھا کہ ان کا یہ فعل جائز ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے واپس آنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استصواب کیا۔ تیسری دلیل کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ دلیل خود شخصی رائے کے استعمال کی مخالفت میں ہے نہ کہ موافقت میں۔ اس لئے اس سے استحسان کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس وقت تک امراء کی فرماں برداری کریں جب تک وہ خدا کا حکم مان رہے ہوں۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو جو انھوں نے اپنی رائے سے کیا تھا، رد فرما دیا تھا (۱۲)۔

استحسان کی تردید میں امام شافعی کے دلائل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں غلط فہمی کا شکار تھے۔ قدیم مکاتبِ فقہ کے یہاں استحسان کی کیا حقیقت تھی، اور اس کا کیسے استعمال ہوتا تھا، ہم تفصیل سے اپنے مقالہ "صدر اسلام میں اجتہاد" میں اسے بتلا چکے ہیں (۱۳)۔ استحسان کی جتنی مثالیں بھی ان کے یہاں ملتی ہیں، ان میں سے ایک سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ استحسان کی بنیاد اوہام، ہوائے نفس اور بے دلیل و آزاد رائے تھی۔ اگر استحسان میں ہوائے نفس داخل ہو سکتی ہے تو قیاس بھی اس سے نہیں بچ سکتا، کیوں کہ جس اصل میں علت مذکور نہیں ہوتی، وہاں فقیہ کو اپنی رائے سے ہی علت کا استنباط اور تعین کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے قیاس میں بھی موضوعی تفکیر کے ایسے ہی قوی امکانات موجود ہیں، جیسے استحسان اور آزاد رائے میں۔ مذکورہ بالا دلائل میں سے صحابہ کے مچھلی کھانے والی دلیل کا امام شافعی یہ جواب دیتے ہیں کہ انہوں نے ایسا محض ضرورت کی بنا پر کیا تھا، حالاں کہ ان کے پاس

اس کی کوئی دلیل موجود نہیں تھی۔ تعجب ہے امام شافعی ضرورت کی اہمیت کو تو مانتے ہیں، لیکن اصول استحسان کو نہیں مانتے۔ اصول استحسان کا محور ضرورت، دقتی مصالح، اور مسئلہ کے کوائف و پس منظر ہوتا ہے جس کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ متاخرین فقہا نے تو استحسان کو قیاس خفی کہہ کر امام شافعی کے تردیدی دلائل کی ساری عمارت ہی ڈھادی ہے۔ امام شافعی کا قدیم مکاتب فقہ پر یہ الزام بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کا استحسان خالص عقل اور وہم پر مبنی ہوتا تھا، اور قرآن وسنت سے اس کی کوئی دلیل نہیں لائی جاتی تھی۔ قدیم مکاتبِ فقہ کے ہاں استحسان کی بہت کم مثالیں ایسی ملتی ہیں جن کی بنیاد صرف رائے پر ہو، اور نص سے اس کی کوئی دلیل نہ دی جاسکتی ہو۔ امام شافعی شرعی استدلال کے لئے اگر اصل پر سارا زور صرف کرتے ہیں تو ان کی یہ بات بھی استحسان میں پائی جاتی ہے۔ قیاس و استحسان میں صرف اتنا فرق ہے کہ قیاس میں علت ظاہر ہوتی ہے، اور استحسان میں مخفی۔ استحسان کی صورت میں قیاس اور عام قواعد سے انحراف کی وجہ اور بنیاد ظاہر اور کھلی نہیں ہوتی۔ استحسان کی اصل بادی النظر میں سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے اس پر ہوائے نفس اور شخصی رائے کا الزام لگایا جاتا ہے، ورنہ امام شافعی جس اصل و دلیل کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں، وہ بھی فقیہ کے ذہن میں ہوتی ہے، نیز جس بنیاد پر استحسان کیا جاتا ہے، اس کو اصول شریعت میں کسی بھی اصل سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ استحسان کی بنیاد پر اخذ کیے ہوئے فیصلے کا قرآن وسنت کی روح اور ان کے منشا کے موافق ہونا ہی استحسان کے لئے اصل و دلیل ہیں۔

امام شافعی نے اپنی تصانیف میں بعض مسائل سے متعلق خود بھی استحسان اور استحباب کے الفاظ استعمال کئے ہیں (۱۴)۔ لیکن ان کا استعمال اور مفہوم فنی سے زیادہ لغوی ہے۔ مسئلہ عرایا کے سلسلہ میں امام شافعی خود بھی ایک حدیث کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر کے استحسان پر عمل کرتے ہیں، کیوں کہ عریہ مزابنہ میں داخل ہے جس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے (۱۵)۔ یہ درست ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی لفظ استحسان استعمال نہیں کرتے، لیکن اس سلسلے میں جو اصول اور طریقۂ کار وہ اختیار کرتے ہیں، وہ عراقی استحسان کے مشابہ ہے۔ ہم اپنے مقالہ "صدر اسلام میں اجتہاد" میں استحسان پر بحث کرتے ہوئے یہ بتلا چکے ہیں کہ اہلِ عراق حدیث کی بنیاد پر استثنا کو بھی استحسان کہتے ہیں جس پر امام شافعی کا خود عمل ہے۔ اس لئے امام شافعی کے اصول استحسان پر اعتراضات درست معلوم نہیں ہوتے۔

اب ہم اجماع (۱۶) کے بارے میں امام شافعی کے نظریہ پر گفتگو کرتے ہیں۔ امام شافعی نے اپنی تصانیف میں مختلف مقامات پر علم کی دو قسمیں بتلائی ہیں، علم العامہ اور علم الخاصہ، علم العامہ سے مراد وہ امور ہیں جن کو ہر عاقل و بالغ مسلمان جانتا ہے، کیوں کہ اسلام میں علم کی یہ قسم بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی مثال میں وہ فرائض اور محرمات کو پیش کرتے ہیں۔ مثلاً پانچ نمازیں، رمضان کے روزے، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت سے ہر شخص واقف ہے، اسی طرح زنا، قتل نفس، چوری اور شراب خوری کی حرمت کو ہر آدمی جانتا ہے۔ قرآن مجید نے ان فرائض و محرمات کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے، اور سارے کے سارے مسلمان اس سے خوب باخبر ہیں۔ بعد کی نسلوں نے پہلی نسلوں سے عمومی طور پر (عامۃ من عامۃ) اس علم کو حاصل کیا۔ اور پہلے لوگوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا۔ ان امور کی فرضیت و حرمت، اور اس علم کی تواتر کے ساتھ نقل و روایت میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ علم کی یہی وہ قسم ہے جس کی نقل اور تعبیر میں غلطی کا امکان نہیں ہے، اسی لئے اس میں اختلاف رائے کی اجازت نہیں دی گئی۔ علم الخاصہ سے مراد فروع و جزئیات کا علم ہے۔ جس کو فروع الفرائض کہتے ہیں۔ قرآن مجید یا سنت میں یہ علم مفصل اور واضح طور پر موجود نہیں ہے۔ یہ علم اگرچہ سنت (حدیث) میں موجود ہے، لیکن اس علم کی روایت افراد کے ذریعہ (اخبار الخاصۃ) ہوتی ہے، نہ کہ تواتر اور عام لوگوں سے (اخبار العامۃ)۔ علم کی اس نوع میں مختلف تعبیرات کی گنجائش ہے، اور اس علم کو قیاس کے ذریعہ بھی حاصل کیا جاتا ہے۔ امام شافعی کے خیال میں اس علم کا حاصل کرنا نہ عام لوگوں پر فرض ہے، اور نہ تمام عالموں پر۔ صرف عالموں کی اتنی تعداد پر اس کا حصول ضروری ہے جو امت کے لئے کافی ہو سکیں (من فیہ الکفایۃ) (۱۷)۔ امام شافعی کے نزدیک اجماع صرف علم العامہ میں ممکن ہے نہ کہ علم الخاصہ میں۔ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے متعدد دلائل پیش کئے ہیں، جن کا ہم ذیل میں تجزیہ کرتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ علم العامہ اور علم الخاصہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ علم العامہ ہر شخص کو حاصل ہے، اور کوئی شخص بھی اس میں شبہ نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال میں وہ نمازوں کی تعداد اور ظہر کے فرضوں کی تعداد پیش کرتے ہیں (۱۸)۔ دوسرے الفاظ میں ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ نمازوں کی تعداد پانچ ہے، اور ظہر کے فرض چار ہوتے ہیں۔ اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی ایسے امور میں اجماع کے قائل ہیں جن میں کوئی اختلاف اور شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔

امام شافعی کا مناظر اُن سے سوال کرتا ہے کہ جس مسئلہ میں کتاب و سنت کی کوئی نص نہ ہو کیا اس میں وہ اجماع کو تسلیم کریں گے، کیوں کہ ان کے مخالفین (امام شافعی کے) کا یہ خیال ہے کہ اجماع صرف ثابت شدہ سنت پر ہی ہو سکتا ہے، اگرچہ اس کو روایت نہ کیا ہو۔ امام شافعی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اجماع امت کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ جس چیز پر اجماع بتلایا جاتا ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہو کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے تو ہم ان کی اس بات کو جوں کا توں مان لیں گے۔ دوسرے یہ کہ کسی چیز پر اجماع تو ہو لیکن اس کی روایت کا ذکر نہ ہو، تو اس میں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہ ہو۔ اس لئے ہم اس کو آپ کی طرف سے منقول نہیں مان سکتے۔ کیوں کہ آپؐ سے نقل کو ماننے کے لئے سماع ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص محض اپنے وہم سے اس کو منقول بتائے تو اس میں یہ بھی امکان ہے کہ جو بات وہ کہہ رہا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو۔ بہرحال جس چیز پر عام لوگوں کا اجماع ہو، اس کو امام شافعی صرف اِتباعاً (عام لوگوں کی نقل کے اعتبار پر) مانتے ہیں۔ اس کی وجہ وہ یہ بتلاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنتیں پوری اُمت سے (عن عامتھم) نہیں چھوٹ سکتیں۔ افراد سے چھوٹ سکتی ہیں۔ نیز اس کی دلیل میں وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اُمت مجموعی طور پر ایسی بات پر متفق نہیں ہو سکتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کے خلاف ہو، یا خطا و گمراہی ہو۔ اس کے بعد امام شافعی اجماع امت کی شرعی حجیت ثابت کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں پیش کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظہا و وعاہا واداہا، فرب حامل فقہ غیر فقیہ الی من ھو افقہ منہ، ثلاث لا یغل علیھن قلب مسلم: اخلاص العمل للہ، النصیحۃ للمسلمین، ولزوم جماعتھم، فان دعوتھم تحیط من ورائھم۔

(خدا اس بندے کو سرسبز و شاداب رکھے جو میری بات کو سُنے، اس کو یاد کرے، اس کو محفوظ رکھے اور پھر اس کو پہنچا دے، کیوں کہ بعض اوقات دینی مسائل کو یاد رکھنے والا خود فقیہ نہیں ہوتا، اور وہ اس مسئلہ کو ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے۔ تین چیزیں ہیں جن کی طرف سے مسلمان کے دل میں کینہ نہیں ہونا چاہیئے: خدا کے لئے عمل، مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی، اور ان کی جماعت کے ساتھ ہونا۔ کیوں کہ ان کی دعوت ان کی حفاظت کرتی ہے۔)

دوسری حدیث یہ پیش کرتے ہیں :-

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قام بالجابیۃ خطیباً فقال : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام فینا کقیامی فیکم، فقال : اکرموا اصحابی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم، ثم یظہر الکذب حتی أن الرجل یحلف ولا یستحلف ولیشہد ولا یستشہد، الا فمن سرہ أن یسکن بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعہ، فان الشیطان مع الفذ، وھو من الاثنین ابعد -

(جابیہ کے مقام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایسے ہی کھڑے تھے جیسے میں تمہارے درمیان کھڑا ہوں۔ آپ نے فرمایا: میرے صحابہ کی عزت کرو، پھر ان کی جو ان سے متصل ہوں، پھر ان کی جو ان سے متصل ہوں۔ اس کے بعد جھوٹ غالب ہو جائے گا (اس دور میں) ایک شخص خود قسم کھائے گا حالاں کہ اس سے قسم نہیں لی جائے گی، اور وہ گواہی دے گا حالاں کہ اس سے گواہی نہیں مانگی جائے گی۔ جو شخص اس سے خوش ہو کہ وہ جنت کے کشادہ مکانوں میں رہے اس کو چاہیئے کہ وہ جماعت کے ساتھ رہے، کیوں کہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ دو سے دور بھاگتا ہے) (۱۹)۔ ان احادیث سے امام شافعی یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے پیچھے چلنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اُمت کا جس چیز پر اتفاق ہو جائے، اس کا اتباع کرنا چاہیئے، اس سے محض ظاہری وجسمانی اتباع مراد نہیں ہے، کیوں کہ اس کا کوئی مقصد ہی نہیں ہو سکتا۔ ان کے نزدیک جماعت کے متفق علیہ فیصلہ کی اتباع حقیقت میں جماعت کی اتباع ہے۔ اس طرح جو شخص جماعت کے متفق علیہ فیصلہ کے خلاف عمل کرتا ہے وہ جماعت کی مخالفت کرتا ہے۔ ان کے خیال میں جماعت سے علیحدگی میں خطا رکا امکان ہے، لیکن پوری اُمت قرآن وسنت کے معنی سمجھنے اور قیاس سے استنباط میں غلطی نہیں کر سکتی (۲۰)۔

اجماع اُمت کے اثبات میں امام شافعی نے مذکورہ بالا دلائل پیش کئے ہیں لیکن یہ بات تعجب خیز ہے کہ امام شافعی اجماع کی شرعی حجیت ثابت کرنے کے لئے صرف احادیث پیش کرتے ہیں، یا عقلی دلیلیں دیتے ہیں، لیکن قرآن مجید کی کسی آیت سے استدلال نہیں کرتے (۲۱)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع کے اثبات میں قرآن مجید کی آیات امام شافعی کے بعد ہی پیش کی گئی ہیں۔ امام شافعی جن احادیث سے اجماع

پر استدلال کرتے ہیں، وہ اس فنی اجماع کی طرف اشارہ نہیں کرتیں جو اصولِ فقہ میں مانا جاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید کی متعدد آیات سے مسلمانوں کے اتحاد اور اُمت کے استحکام پر روشنی پڑتی ہے، اسی طرح یہ احادیث بھی اُسی اتحاد کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ چناں چہ اس اجماع کا اثبات ان احادیث سے اس لئے بھی نہیں کیا جا سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اجماع کا تصور درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجتماعی و سیاسی ضرورت کی بنا پر وجود میں آیا۔ بعد میں فقہاء اور علمائے اصول نے اس کو قرآن مجید اور حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ہمارا یہ خیال اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ امام شافعی کے دَور تک اجماع کی حجیت میں قرآن مجید کی کوئی آیت پیش نہیں کی گئی، بلکہ اسے احادیث سے ہی ثابت کیا گیا۔ اس طرح اس بارے میں امام محمد بن الحسن شیبانی (۲۲) اور امام شافعی نے جو احادیث پیش کیں، وہ مختلف تھیں۔ امام محمد جس حدیث سے اجماع پر استدلال کرتے ہیں اس سے امام شافعی واقف نظر نہیں آتے، اور امام شافعی جن احادیث کو اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں امام محمد ان سے باخبر نہیں ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ احادیث اس دَور میں اجماع کے ضمن میں عام طور پر پیش نہیں کی جاتی تھیں، بلکہ جس حدیث سے بھی اس قسم کا اشارہ نکلتا ہو، ہر فقیہہ اُس سے استدلال کرتا تھا۔ غرض پہلی دوسری صدی میں اجماع کی حجیت کے بارے میں اُمت کا کسی ایک حدیث پر اتفاق نہیں تھا، جسے یہ کہہ سکیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجماع کی حجیت کے لئے خاص طور پر فرمایا تھا۔

امام شافعی نے اجماع کی حجیت کے سلسلہ میں جو احادیث پیش کی ہیں، ان میں دوسری حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجماع کو صرف قرونِ ثلثہ تک محدود سمجھتے تھے۔ اجماعِ سلف (قرونِ ثلثہ) کا یہ تصور سب سے پہلے ہمیں امام شافعی کے یہاں ملتا ہے۔ اس کے برعکس اس ضمن میں امام محمد بن الحسن الشیبانی جو حدیث پیش کرتے ہیں اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اجماع کسی خاص زمانہ کے ساتھ خاص تھا۔ امام محمد چونکہ اس پر کوئی رائے زنی نہیں کرتے اس لئے اس معاملے میں اُن کے نقطۂ نظر کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ امام شافعی اس سلسلہ میں جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کہا جا سکتا ہے نہ کہ قرونِ ثلثہ کے بعد آپؐ کی لوگوں کے عمل کی مذمت۔ اور یہ کہ اس دَور کا اجماع آپؐ کے نزدیک درست نہیں تھا۔ تیسری صدی ہجری میں ہمیں اجماع کے سلسلہ میں یہ مشہور حدیث ملتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت گمراہی پر متفق نہیں

ہو سکتی۔ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں بھی اُمت گمراہی و ضلال پر متفق نہیں ہو سکتی، نہ کہ صرف قرون ثلثہ میں۔ چناں چہ اجماع کو قرونِ ثلثہ تک محدود کرنا اس مشہور حدیث کے خلاف پڑتا ہے۔ ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ اجماع کی تائید میں جو بھی احادیث پیش کی جاتی ہیں ان کا اصولِ اجماع سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ ان سے تو اُمت کا عمومی اتحاد اور استحکام نکلتا ہے۔ اجماع کی تائید تو فقہاء ہی ان سے نکال لیتے ہیں۔

یہاں تک ہم نے اجماع العامہ (اجماع اُمت) کے بارے میں امام شافعی کا نقطۂ نظر پیش کیا تھا، اب ہم اجماع الخاصہ کے بارے میں اُن کی رائے پر بحث کرتے ہیں۔ امام شافعی اجماع الخاصہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے خلاف انہوں نے بہت سے دلائل پیش کئے ہیں۔ ان کا ہم ذیل میں تجزیہ کرتے ہیں:

امام شافعی کے مخالف کا خیال ہے کہ علم العامہ اور علم الخاصہ دونوں میں ہی یقینی علم موجود ہے۔ لیکن امام شافعی اس نظریہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یقینی علم (احاطہ) صرف علم العامہ میں ہے۔ علم الخاصہ یقینی نہیں ہو سکتا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے ان امور میں جن میں قرآن مجید نے واضح احکام نہیں دیئے تھے، قیاس سے کام لے کر نتائج اخذ کئے۔ اس لئے ان میں اختلاف رائے ضروری تھا۔ قیاس کے ذریعہ استنباط کی صورت میں غلطی کا امکان ہے۔ چوں کہ علم الخاصہ کی بنیاد رائے و قیاس پر ہوتی ہے، اس لئے اس میں یقینی علم (احاطہ) نہیں ہو سکتا۔ (۲۳) (مسلسل)

حواشی و حوالجات

۱۔ امام شافعی۔ کتاب الأم۔ مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۲۴ھ۔ ج ۷، ص ۲۷۲۔

۲۔ امام شافعی۔ الرسالہ، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۲۱ھ۔ ص ۷۰۔ وانما الاستحسان تلذذ۔

۳۔ امام شافعی۔ کتاب الأم۔ محولہ بالا ایڈیشن۔ ج ۶۔ ص ۲۰۷۔

.....لانہ اذا اجاز لنفسہ استحسنت اجاز لنفسہ ان یشرع فی الدین۔

۴۔ سورۃ القیامۃ: ۳۶۔

۵۔ امام شافعی۔ کتاب الام محولہ بالا ایڈیشن۔ ج ۷۔ ص ۲۷۱۔

۶۔ ایضاً ص ۲۷۲۔ انما یامرھم بتولیۃ وجوھھم شطرہ بطلب الدلائل علیہ لا بما

استحسنوا ولا بما سنح فی قلوبھم ولا خطر علی اوھامھم بلا دلالۃ ۔

۷۔ ایضاً ۔ص ۲۷۱ ۔ (۸) ۔ایضاً ۔ ص ۲۷۳ ۔ (۹) ۔ ایضاً ۔ص ۲۷۳ ۔

۱۰۔ایضاً ۔ ج ۶ ۔ص ۲۰۳ ۔ (۱۱)۔ ایضاً ۔ص ۲۰۵۔ (۱۲)۔ ایضاً ۔ص ۲۰۵۔۲۰۶،

۱۳۔ ملاحظہ ہو، ماہنامہ فکر و نظر، ماہ دسمبر ۱۹۶۶ء ۔

۱۴۔امام شافعی ۔کتاب الام ۔محولہ بالا ایڈیشن ۔ج ۷ ۔ص ۱۹۰ ۔ ۲۲۹ ۔..... وقد استحسنتم أن توتروا بثلاث .... ینبغی أن تستحبوا ما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکل حال

۱۵۔ایضاً ۔ص ۱۸۲ ۔

۱۶۔اجماع فقہ اسلامی کا ایک اہم ماخذ ہے ۔ اور امام الحرمین جوینی کے الفاظ میں شریعت کا دار و مدار ہی اجماع پر ہے (الاجماع ھو عصام الشریعۃ وعمادھا والیہ استنادھا ۔ البرھان فی اصول الفقہ قلمی) عصمت اُمت کا تصور، اجماع کا تصور اور اس کی اصطلاح، سنت صحابہ، اجماع صحابہ، اور ان میں فرق، تصور اجماع و تصور امامت، قدیم تصور اجماع، تصور اجماع میں ارتقاء، اجماع قرون ثلثہ تک، امام شافعی کا نظریہ اجماع، ان کے بعد کے دور میں اجماع، اجماع ماخذ شرع کی حیثیت سے، اجماع کی شرعی حجیت، اجماع امت اور اجماع علماء، نسخ اجماع کا مسئلہ، اجماع ایک روایت یا مسلسل عمل، مختلف مکاتب فکر کا نظریۂ اجماع ۔اُمت اسلامیہ میں اجماع کا کردار ———— ؟ ان سوالات کا جواب دینے کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے ۔ یہاں ہم کیونکہ صرف امام شافعی کے نظریہ اجماع پر بحث کر رہے ہیں، اس لئے مطلق اصول اجماع سے متعلق کہیں کہیں صرف اشارے کریں گے ۔

۱۷۔امام شافعی ،الرسالہ، محولہ بالا ایڈیشن ، ص ۵۰ ۔

۱۸۔ امام شافعی، کتاب الام، محولہ بالا ایڈیشن ، ج ۷ ،ص ۲۵۵ ۔

۱۹۔امام شافعی ، الرسالہ ۔محولہ بالا ایڈیشن ۔ص ۵۵ ۔ ۵۶ ۔ نیز ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کی ان احادیث پر تنقید ملاحظہ ہو ۔ اسلامی منہاجیات تاریخ کے آئینہ میں مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء ص ۴۵ ۔ ۶۵ ۔

(F. RAHMAN, ISLAMIC METHODOLOGY IN HISTORY LAHORE, 1965, P.P. 45-53)

۲۰ - ایضاً ، ص ۶۵ ۔

۲۱ ۔ تذکرہ کی کتابوں میں ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام شافعی سے قرآن مجید سے اجماع کی حجیت کے بارے میں دریافت کیا گیا ۔ وہ تین روز تک اس مسئلہ پر غور کرتے رہے ، اس کے بعد اس آیت کو پیش کیا :۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المومنین نولیہ ماتولی ونصلیہ جھنم ، وساءت مصیرا ۔ (سورۃ النساء : ۱۱۵) تاج الدین السبکی ، طبقات الشافعیۃ الکبری ، قاہرہ ، تاریخ طباعت درج نہیں ، ج ۲ ۔ ص ۱۹ ۔ ۲۰ ۔ ہمیں اس روایت کی صحت میں اس لئے شک ہے کہ امام شافعی اپنی تصانیف میں اجماع پر بحث کرتے ہوئے کسی مقام پر بھی اس آیت کو پیش نہیں کرتے ۔

۲۲ - یہ بات واضح رہے کہ امام محمد تراویح کو اجماع سے ثابت کرتے ہیں اور وہاں اجماع کی حجیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں :۔ ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن ، وماراہ المومنون قبیحاً فھو عند اللہ قبیحٌ ۔

ملاحظہ ہو امام محمد بن الحسن الشیبانی ، المؤطا ، مطبوعہ دیو بند ، تاریخ طباعت درج نہیں ۔ ص ۱۴۴ ۔

۲۳ ۔ امام شافعی ۔ کتاب الام ۔ محولہ بالا ایڈیشن ۔ ج ۷ ۔ ص ۲۵۵ ۔